سمجھ کا پھیر

مائل خیرآبادی

میرے چار نوکر

نواب نے ماموں کو خط لکھ دیا تھا کہ میں ۳ بجے والی ٹرین سے آ رہا ہوں۔ نوکر کو سائیکل دے کر بھیج دیجئے گا لیکن جب ریل محمود پور پہنچی تو نوکر کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ نواب نے پہلے تو پلیٹ فارم پر دور تک نظر دوڑائی لیکن جب دو منٹ رُک کر ریل نے چلنے کی سیٹی دی تو نواب گھبرایا۔ اس نے جیسے تیسے ریل سے اپنا سامان اتارا اور سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ ماموں کا مکان یہاں سے تین میل دور ہے۔ یہاں نہ تو قلی اور نہ آس پاس مزدور۔ کس طرح اپنا سامان لادے اور تین میل کا راستہ کاٹے۔

نواب کے پاس سامان زیادہ تو نہ تھا۔ ایک اٹیچی تھی جس میں اس کے کپڑے اور کتابیں وغیرہ تھیں۔ ایک چھوٹا سا بستر تھا اور ایک چھوٹی سی ٹوکری جس میں کچھ پھل اور میوے تھے۔

وہ تو کہیئے، اللہ نے بڑی مہربانی کی۔ ایک نوجوان لڑکا ٹہلتا ہوا اسٹیشن پر آ گیا۔ اس نے نواب کو اکیلے بیٹھے دیکھا تو پاس آیا۔ حال

پوچھا۔نواب نے اپنی رام کہانی سنائی کہ نوکر بائیسکل لے کر نہیں آیا اب یہ سامان کس طرح جائے۔

''واہ بھئی وا! یہ سامان ہی کتنا ہے؟'' اس نوجوان نے کہا۔

''کیا یہ کم ہے؟'' نواب بولا۔

''یہ تو کچھ بھی نہیں، پھر تم ہٹّے کٹّے کڑیل جوان ہو، لا دو اور چل دو۔''

''واہ! کیا مجھے نیچ ذات کا سمجھ لیا ہے۔''

''نہیں بھائی! کوئی اپنا کام اپنے ہاتھوں کر کے ذلیل نہیں ہوتا۔''

نوجوان کی یہ باتیں سن کر نواب کچھ نہ کہہ سکا اور کسی سوچ میں پڑ گیا۔نوجوان لڑکے کو اس پر بڑا ترس آ رہا تھا۔ترس یہ کہ سولہ سترہ سال کا ہٹّا کٹّا تندرست اور کام سے جی چراتا ہے۔اس نے کہا۔

''تو اپنے ساتھ نوکر نہیں رکھتے؟''

''نوکر ہر گھڑی تو ساتھ نہیں رہتے۔ پھر میرے گھر دو ہی نوکر ہیں۔دونوں گھر پر ہیں۔''

آپ جب اپنا کام اپنے ہاتھوں نہیں کر سکتے تو نوکروں کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھنا چاہیئے۔''

''واہ بھائی! ہر وقت کوئی کیسے ساتھ رکھ سکتا ہے اور پھر کہیں جانا ہو تو؟''

''تو بھی!''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟''

''ہو کیوں نہیں سکتا میں تو اپنے نوکر اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔''

''جھوٹ مت بکو اور جاؤ یہاں سے۔'' نواب نے نوجوان سے کہا۔

''بھائی جھوٹ بڑا گناہ ہے۔ میں جھوٹ نہیں کہتا۔''

''تو کہاں ہیں تمہارے ساتھ تمہارے نوکر؟''

''یہ دیکھو، یہ میرے دو ہاتھ اور یہ دیکھو یہ میرے دونوں پیر۔ یہ چاروں میرے بڑے اچھے نوکر ہیں۔ میں ان سے جو کام کہتا ہوں جھٹ کرتے ہیں۔ انھیں بلانے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہر وقت میرے ساتھ رہتے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں اپنے نوکروں سے تمہارا کام کرا دوں!''

نواب اس نوجوان کا منہ تکنے لگا۔ نوجوان نے نواب کی اٹیچی

اٹھائی، بستر بغل میں دابا اور کہا کہ اپنی ٹوکری تو لے کر چلو اور اگر یہ بھی نہ اٹھائی جا سکے تو لاؤ میرے ہاتھ میں پکڑا دو۔"

نواب سچ مچ بڑا کاہل تھا۔ اس سے ٹوکری بھی لے کر چلنا دوبھر تھا۔ اس نے نوجوان کو ٹوکری بھی دے دی۔ نوجوان ان تینوں چیزوں کو لے کر چلا۔ وہ بڑا تیز چل رہا تھا۔ نواب کو بار بار اس کا ساتھ پکڑنے کے لئے دوڑنا پڑتا۔ وہ نوجوان کی خوشامد کرتا کہ بھائی ذرا دھیرے چلو۔

گھنٹہ بھر میں نواب اپنے ماموں کے گھر پہنچ گیا۔ نوجوان اس کا سامان دے کر چلا تو نواب نے ایک روپیہ اسے دینا چاہا۔ نوجوان نے جواب دیا۔ "میرے نوکر مزدوری نہیں لیتے۔" اور وہ چلا گیا۔

نواب سوچنے لگا۔ اگر آج یہ نوجوان اسٹیشن پر نہ مل جاتا تو میں کیسے آتا۔ اس نے اپنے ہاتھوں پر نظر ڈالی۔ دونوں پیروں کو دیکھا۔ بولا "یہ نوکر تو سچ مچ مفت کے ہیں۔ کاش کہ میں نے ان سے خدمت لی ہوتی۔"

☆☆☆

ہر فن مولا

یہ سب قصور اُس کتاب کا تھا جو بدھو میاں ایک کباڑی کی دکان سے دس پیسے میں خرید کر لائے تھے۔ کتاب کا نام تھا ''ہر فن مولا'' اس میں صابن بنانے سے لے کر ریڈیو اور گھڑی تک کی مرمّت کرنے کے طریقے لکھے تھے۔ کتاب خرید کر بدھو میاں کو ایسا لگا جیسے انھیں کوئی خزانہ مل گیا ہو۔ گھر میں قدم رکھتے ہی انھوں نے پکار کر کہا۔

''اجی نسیمہ باجی! آپ کہاں ہیں۔ دیکھئے میں آپ کے لئے کیا لایا ہوں؟''

نسیمہ باجی سمجھیں کہ بدھو میاں اُن کے لئے مٹھائی لائے ہیں۔ امتحان پاس کرنے کی خوشی میں مٹھائی کھلانے کا وعدہ بھی انھوں نے کیا تھا۔ بے چاری بھاگتی ہوئی بدھو میاں کے پاس آئیں اور کہنے لگیں:

''احمد بھائی کے یہاں سے لایا ہے نا؟''

''نہیں باجی! یہ تو فضلو کباڑی کے یہاں سے ملی ہے۔'' بدھو میاں نے پیکٹ کھولتے ہوئے کہا:

''باجی! یہ تو ایک ڈھیر کے نیچے دبی تھی اسے میری خوش قسمتی سمجھئے ورنہ ایسی قیمتی چیز بھلا کہاں ملتی ہے۔''

نسیمہ باجی حیران ہو کر پوچھنے لگیں:

''اچھا، فضلو کباڑی اب مٹھائی بھی بنانے لگا۔''

بدھو میاں نے باجی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

''باجی! آپ کو ہمیشہ کھانے پینے کی ہی سوجھتی رہتی ہے۔ بھلا فضلو کباڑی مٹھائی کیوں بیچنے لگا۔ یہ تو ایک بڑے کام کی کتاب ہے۔'' بدھو میاں نے یہ کہہ کر پیکٹ کھول دیا۔ ایک پھٹی پرانی کتاب سامنے تھی۔ اس پر لکھا تھا ''ہر فن مولا'' ...... ''اس کتاب کو پڑھئے اور لکھ پتی بن جایئے۔''

باجی کا چہرہ اُتر گیا۔ جھنجھلاتے ہوئے بولیں:

''بھاڑ میں جائے فضلو کباڑی اور چولھے میں جائے اس کی کتاب۔ میں سمجھی تھی کہ امتحان پاس کرنے کی خوشی میں مٹھائی لائے ہو گے۔''

''اجی باجی! آپ بھی خوب ہیں۔ ارے بھئی یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے اس میں صابن بنانے کا طریقہ ہے۔ گھڑی اور ریڈیو بنانے کا طریقہ ہے۔ اس میں سب کچھ ہے باجی۔''

نسیمہ باجی چڑ کر بولیں:

''بس، بس رہنے دو۔ کہاں سے اٹھا کر لائے یہ ردّی کے ٹکڑے۔ پھینکو اسے۔''

''اجی نہیں باجی! آپ دیکھئے تو سہی۔ میں کیا کیا نئی چیزیں اس کتاب کی مدد سے بناتا ہوں۔'' باجی تو جھنجھلا کر باورچی خانے میں چلی گئیں اور بدھو میاں کرسی پر بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگے۔ ہر دو منٹ کے بعد کرسی پر اچھل کر کہتے۔ ''وہ مارا...... اب اچار اور مربّے خود ہی ڈالا کریں گے...... ارے واہ! کوٹ اور پتلون سینا تو کچھ بھی مشکل نہیں ہے...... اچھا منجن میں صرف یہی تین چیزیں ہوتی ہیں۔ بھئی، واہ موم بتی صرف پانچ منٹ میں تیار ہو سکتی ہے...... اچھا مچھّر مار تیل کا نسخہ یہ ہے......''

ادھر نسیمہ باجی، باورچی خانہ میں بیٹھی سوچ رہی تھیں کہ کہیں بدھو میاں کا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔ دوسرے دن بدھو میاں نے باجی سے کہا:

''باجی! آپ کی گھڑی ہر روز پانچ منٹ پیچھے ہو جاتی ہے نا! لائیے، میں اسے ٹھیک کر دوں۔''

''رہنے دو۔'' باجی بگڑ کر بولیں: ''تم کہاں کے گھڑی ساز ہو۔''

''ٹھیک ہے کل تک میں گھڑی ساز نہیں تھا لیکن آج ہو گیا ہوں، آپ لائیے تو ذرا اپنی گھڑی۔''

''نا، بابا! مَیں گھڑی نہیں دوں گی۔'' نسیمہ باجی انکار کرتے ہوئے بولیں۔

''اجی، آپ تو خواہ مخواہ ڈر رہی ہیں، بس پانچ منٹ کی ہی تو بات ہے۔ اگر ایک منٹ بھی پیچھے رہے تو میرا نام بدل دیجئے گا۔'' بدھو میاں نے سینہ ٹھونک کر کہا۔

نسیمہ باجی کو بدھو میاں کی بات کا ذرا بھی اعتبار نہیں تھا۔ اس لئے انھوں نے اپنی گھڑی نہیں دی۔ بدھو میاں تو گھڑی کی مرمّت کرنے کے لئے بے چین ہوئے جا رہے تھے۔ موقع کی تلاش میں لگے رہے۔ اتفاق سے باجی غسل کرنے کے لئے غسل خانہ میں گئیں۔ گھڑی کو میز پر رکھ گئیں۔ بس پھر کیا تھا بدھو میاں کو موقع مل گیا۔ وہ فوراً گھڑی کی مرمّت میں لگ گئے۔ چاقو کی نوک سے گھڑی کو کھول دیا۔ گھڑی نازک تھی۔ سکنڈ کی سوئی فرش پر گری اور پھر نہ ملی۔ منٹ کی سوئی نکال رہے تھے کہ دباؤ پڑنے سے وہ ٹوٹ

گئی۔ یہی حال دوسرے پُرزوں کا ہوا۔ سارے پرزے بکھر گئے۔ لیکن بدھو میاں ذرا نہ گھبرائے۔ گھڑی کی مرمّت کرنے میں لگے رہے۔ باجی جب غسل خانہ سے باہر آئیں تو گھڑی کی حالت دیکھ کر اپنا سر پیٹ کر رہ گئیں۔ بدھو میاں بولے۔

"باجی! آپ بالکل نہ گھبرائیے۔ میں ابھی اس کے پُرزے ٹھیک کیئے دیتا ہوں۔ آپ ذرا کسی برتن میں پٹرول لے آیئے۔ میں ان تمام پُرزوں کو اس میں رکھ دوں گا۔ دو چار منٹ میں یہ صاف ہو جائیں گے۔ پھر انہیں اپنی اپنی جگہ پر لگا دوں گا۔ جو پُرزے گم ہو گئے ہیں وہ بازار سے لا کر لگا دوں گا...... پھر دیکھئے جو ایک سکنڈ بھی پیچھے رہ جائے۔"

نسیمہ باجی گھڑی کی یہ حالت دیکھ کر بدھو میاں کو کوسنے لگیں۔ گھڑی نہ ٹھیک ہونا تھی اور نہ سنبھلی۔ ہاں بدھو میاں کی خوب درگت بنی۔ شام کو ابّا جان نے ان کی ایسی مرمّت کی کہ انھوں نے کئی دن تک اپنی کتاب "ہرفن مولا" کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔

دو تین ہفتے کے بعد بدھو میاں کو پھر کچھ نئی چیزوں کے بنانے کا بھوت سوار ہوا۔ جھٹ انھوں نے الماری سے اپنی کتاب "ہرفن مولا" نکالی۔ اتفاق سے اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔ بدھو میاں

نے کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کر دیا۔ عنوان تھا:

''کوٹ اور پتلون کیسے سئیں ......''

بدھو میاں کی باچھیں کھل گئیں۔ ''وہ مارا...... آج ہی اپنی ایک پتلون بنائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اٹھے باجی کے بکس سے گرم کپڑے کا ایک بڑا سا ٹکڑا نکالا، قینچی اور فیتہ لے کر بیٹھ گئے۔ کتاب دیکھ دیکھ کر پتلون کا کپڑا کاٹنے لگے۔ ابھی انھوں نے صرف کٹائی ہی کی تھی۔ اسے مشین پر سینا باقی تھا کہ اچانک باجی گھر میں داخل ہوئیں۔ بدھو میاں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ کہنے لگے:

''باجی! یہ دیکھئے پتلون کا کپڑا کیسے کاٹا جاتا ہے۔'' باجی غصہ ہوتی ہوئی بولیں:

''ہائے، میری ڈیڑھ سو روپئے کی گھڑی کا ستیاناس تو کیا ہی تھا میری سال کا گرم کپڑا ابھی خراب کر دیا۔''

''اجی نہیں باجی! وہ تو اس دن ذرا سی بھول ہوگئی۔ اس بار کوئی غلطی نہیں ہوگی۔ ہر حصہ کی کٹائی تین تین بار کتاب میں دیکھنے کے بعد کی ہے۔''

باجی دانت پیستی ہوئی بولیں: ''اچھا ذرا دیکھوں تو بھلا، پتلون

کی لمبائی کتنی رکھی ہے؟''

''لمبائی...... یہی بس ۴۴ - انچ۔''

''ہائے اللہ! اتنی لمبی پتلون تم پہنو گے۔''

''لمبی کہاں ہے باجی! کتاب میں یہی لمبائی لکھی ہے۔''

''لاؤ تو ذرا کتاب۔''

کتاب پڑھنے کے بعد باجی کو سچ مچ غصہ آ گیا۔ بگڑتے ہوئے بولیں: ''معلوم ہوتا ہے تمہاری عقل گھاس چرنے گئی ہے۔ ۴۴ - انچ تو پڑھ لیا۔ یہ نہیں پڑھا کہ یہ لمبائی اس آدمی کی پتلون کی ہے جس کا قد ۶ فیٹ ہو اور تم تو ابھی ساڑھے تین فیٹ کے ہو۔''

بدھو میاں جھینپتے ہوئے بولے: ''یہ پتلون تو میں ابّا جان کے لئے بنا رہا ہوں۔''

اس کے بعد کیا ہوا، مت پوچھئے، پتلون سلنا تھی اور نہ سلی۔ کپڑے کی بربادی ضرور ہو گئی۔

بدھو میاں کی وہ پٹائی ہوئی کہ خود ان کی اپنی پتلون ڈھیلی ہو گئی۔ دو تین مہینے تک تو انھوں نے کتاب کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ لیکن

ایک دن پھر شوق چرّا یا کہ کچھ بنایا جائے۔

انھوں نے اپنی کتاب ''ہر فن مولا'' کو کھول کر پھر پڑھنا شروع کیا۔ ریڈیو مرمّت کرنے کا بیان تھا۔ اتفاق سے اس دن بھی گھر میں کوئی نہیں تھا۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے گھر کے ریڈیو سیٹ میں گھڑ گھڑاہٹ ہو رہی تھی۔ بدھو میاں نے پیچکس سے ریڈیو کا پچھلا حصہ کھولا۔ جیسے ہی پیچکس نے ایک پُرزے کو چھوا، بدھو میاں کو زور سے کرنٹ کا جھٹکا لگا۔ اور وہ اوندھے منھ فرش پر گر کر بے ہوش ہو گئے۔ جب انھیں ہوش آیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ اسپتال میں ایک بستر پر لیٹے ہوئے ہیں۔ گھر کے لوگ اور ان کے دوست ان سے پوچھ رہے ہیں: ''اب کیسی طبیعت ہے؟'' پورا قصہ بتاتے ہوئے بدھو میاں نے کہا کہ ریڈیو کھولنے سے پہلے انھوں نے پلگ کو الگ نہیں کیا تھا۔'' بدھو میاں کو قسم کھلوائی گئی کہ آئندہ وہ ایسی حرکتیں نہیں کریں گے۔ وہ اسپتال سے گھر لوٹے اور پہلا کام یہ کیا کہ انھوں نے ''ہر فن مولا'' کتاب فضلو کباڑی کو واپس کر دی۔

☆☆☆

کھلونوں کی لڑائی

ایک تھیں میم صاحبہ۔ ایک انگریز کی بیوی۔ ایک بار میم صاحبہ لکھنؤ آئیں۔ لکھنؤ میں گھومیں پھریں۔ لکھنؤ کی مشہور چیزیں دیکھیں۔ لکھنؤ کا مشہور امام باڑہ دیکھا۔ زندہ اور مردہ عجائب گھر دیکھا۔ پھر وہ لکھنؤ کا چوک بازار دیکھنے گئیں۔ لکھنؤ کے اس بازار میں انھوں نے دیکھا کہ ایک دکان پر مٹی کے بنے ہوئے کھلونے سجے ہیں۔ کھلونوں پر بڑی اچھی پالش کی گئی ہے۔ پالش کر کے کھلونوں کو ایسا بنا دیا گیا ہے۔ جیسے وہ اصلی ہوں۔ دکان پر دیکھا کہ ایک چھوٹا سا بھشتی مٹّی کا بنا ہوا کھڑا ہے۔ وہ اپنی مشک کمر پر لادے ہوئے ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے وہ سچ مچ بھشتی ہی ہے۔ بھشتی کے پاس ایک مہتر (حلال خور) بغل میں ٹوکری اور ہاتھ میں جھاڑو پنجہ لئے کھڑا ہے۔ وہ بھی اصل ہی معلوم ہوتا ہے۔ ایک طرف خانساماں جی شیر والی پہنے صافہ باندھے اور کمر کسے تیار کھڑے ہیں کہ صاحب آواز دیں تو جھٹ کھانا لے کر پہنچیں۔ ایک طرف ایک نوکرانی کھڑی ہے۔ ڈھیلے پائنچوں کا سفید پاجامہ پہنے ہے اور اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے وہ میم

صاحبہ ہی کی راستہ دیکھ رہی ہو۔ اس طرح سے بہت سے کھلونے رکھے تھے۔ سارے کھلونے بالکل اصلی لگ رہے تھے۔ یہ کھلونے میم صاحبہ کو بہت پسند آئے۔ انھوں نے لکھنؤ کے کاریگروں کی بڑی تعریف کی اور بہت سے کھلونے خرید لئے اور خوشی خوشی لوٹ آئیں۔ وہ ایک اچھے سے کمرے میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہ کھلونے لے کر کمرے میں پہنچیں اور کھلونوں کو ایک طرف بڑے سلیقے سے سجا دیا۔ وہ بار بار کھلونوں کو دیکھتیں اور دیکھ کر دل ہی دل میں خوش ہوتیں۔ کھلونے ان کو اتنے پسند آئے کہ سوتے وقت بھی اُن ہی کا دھیان رہا۔ جب تک جاگتی رہیں یہی سوچتی رہیں کہ کون سا کھلونا سب سے اچھا ہے۔ وہ تو سارے ہی کھلونوں کو اچھا کہہ رہی تھیں۔ دل ہی دل میں کہا کہ میرے یہ سارے کھلونے اچھے ہیں اور پھر وہ سو گئیں۔

اچھا تو وہ سو گئیں۔ کچھ ہی دیر سوئی ہوں گی کہ دیکھا تو سارے کھلونے آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے۔ کھلونوں کو لڑتا دیکھ کر میم صاحبہ کو بڑا تعجب ہوا۔ انھیں یہ بھی کھٹکا ہوا کہ میرے کھلونے لڑ بھڑ کر ٹوٹ نہ جائیں۔ وہ جھٹ اٹھیں۔ کھلونوں کے پاس پہنچیں۔ خانساماں جی نوکرانی پر گھونسا تانے ہوئے تھے۔ میم

صاحبہ نے جھٹ خانساماں کو ہاتھ میں اٹھالیا۔ اپنی ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولیں۔'' خانساماں نے جواب دیا'' میم شاب! (صاحب) ہم سیّد ہے اور یہ سب نیچ ذات کے ہیں۔ یہ ہماری برابری کرتے ہیں۔ ہمارے برابر کھڑے ہیں۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔''

خانساماں نے یہ کہا تو جھٹ بھشتی بول اٹھا'' حضور! میم صاحبہ! پیشہ اللہ کو پیارا۔ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی پیشے کو ذلیل نہیں کہا۔ ہم نیچ نہیں ہیں۔ دن بھر محنت مزدوری کرتے ہیں۔ حلال کمائی کھاتے ہیں اور اپنے بچوں کا پیٹ پالتے ہیں۔''

بھشتی کی بات ختم ہوئی تو مہتر (حلال خور) بولا:'' سرکار! آپ تو جانتی ہی ہیں، ہمیں تو حلال خور کہا جاتا ہے۔ یہ سب حرام کی روٹیاں کھاتے ہیں اور مجھے نیچ بناتے ہیں۔ میں یہ کیسے سن سکتا ہوں۔''

اسی طرح کی باتیں نوکرانی نے کیں: اسی طرح درزی نے کہا اور اسی طرح سارے ہی کھلونوں نے اپنا اپنا بیان دیا۔ سب کا بیان سن کر میم صاحبہ نے سمجھانا شروع کیا۔'' دیکھو میرے پیارے کھلونو! تم سب ایک ہی تالاب کی مٹّی سے بنے ہو۔ ایک ہی کاریگر نے تم کو

بنایا ہے اور ایسا اچھا بنا دیا کہ تم اصلی لگتے ہو۔ جب یہ بات ہے تو پھر تم میں نیچ اونچ کیسی؟'' کھلونے بولے ''نہیں، ہمیں کسی نے نہیں بنایا۔ ہم تو آپ سے آپ بن گئے ہیں۔''

یہ سن کر میم صاحبہ بولیں: ''واہ بھئی واہ! یہ تم کیا بولتا ہے؟ کوئی چیز بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتی۔ تم لڑائی بھڑائی نہ کرو، ہمیں ایسا لگتا ہے شاید تم سب اپنے بنانے والے کو بھول چکے ہو۔''

میم صاحبہ یہ کہہ ہی رہی تھیں کہ اچانک ایک طرف آہٹ ہوئی۔ ادھر دیکھا تو ایک بزرگ کو کھڑے پایا۔ وہ بزرگ شیروانی، پاجامہ پہنے اور صافہ باندھے ہوئے تھے۔ چہرے پر خوب صورت داڑھی تھی اور وہ مسکرا رہے تھے۔ جیسے ہی میم صاحبہ نے انھیں دیکھا۔ ویسے ہی ان بزرگ نے کہا ''میم صاحبہ! آپ ان کھلونوں سے یہ کیا کہہ رہی ہیں۔ یہی نا کہ یہ کھلونے اپنے بنانے والے کو بھول گئے مگر آپ نے یہ بھی سوچا کہ انسان بھی تو اپنے بنانے والے کو بھول چکا ہے۔ بہت سے انسان آج بھی ایسے ہیں جو ان کھلونوں کی طرح کہتے ہیں کہ یہ دنیا آپ سے آپ بن گئی ہے۔ کوئی ہمارا اور دنیا کی

ساری چیزوں کا بنانے والا نہیں ہے۔ میم صاحبہ! سوچئے تو، رات دن کالے گورے کا جھگڑا اٹھتا رہتا ہے۔ آئے دن برہمن اور غیر برہمن میں ٹھنی رہتی ہے۔ جب دیکھو ہندو مسلم فساد ہوتا رہتا ہے۔ کیا ان سب کا بنانے والا ایک نہیں؟'' کیا یہ سب ایک ہی مٹی سے نہیں بنے؟ کیا یہ سب ایک آدمؑ اور حوّاؑ کی اولاد نہیں؟ کیا یہ سب بھائی بھائی نہیں؟ مگر نادان سارے کے سارے ان کھلونوں کی طرح لڑتے ہیں۔ سر پھٹول کرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب بھی خدا کو بھول چکے ہیں۔ میم صاحبہ! یاد رکھئے، جو اپنے بنانے والے کو بھولا وہی گھمنڈ کے مارے پھولا۔ اور اپنے کو سب سے بڑا کہنے لگا...... تو میم صاحبہ! یہ بیچارے تو مٹی کے کھلونے ہیں۔ آپ اِنھیں کیا سمجھاتی ہیں۔ یہ تو انسان کی نقل کرتے ہیں۔ جایئے پہلے انسان کو سمجھایئے، پھر ان کھلونوں سے کہئے۔''

یہ کہہ کر وہ بزرگ چلے گئے۔ میم صاحبہ پہلے تو کھڑی کی کھڑی رہ گئیں، پھر چاہا کہ لپک کر جائیں اور اس نیک انسان کو روکیں۔ میم صاحبہ ابھی اس کی کچھ اور باتیں سننا چاہتی تھیں۔ جلدی سے ان کے

پیچھے لپکیں۔ کپڑے میں ان کا پیر الجھا۔ اور ایسا لگا جیسے وہ زور سے گر پڑی ہوں۔ گرتے ہی ایک چیخ نکل گئی۔ میم صاحبہ کی چیخ سن کر صاحب اپنے کمرے سے دوڑے۔ وہ کہہ رہے تھے۔ ''واہ میم صاحبہ! آپ ڈر گئیں؟ کیا آپ ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھیں؟''

☆☆☆

دل کی پکار

ایک شخص اب سے ۳۴ سال پہلے ایک بس پر سوار ہوا تھا۔ لیکن اس وقت اس نے کرایہ نہیں دیا تھا۔ اور کسی طرح بچ کر نکل گیا تھا۔ پھر اس کے اندر ایمان جاگا اور اب ۳۴ سال بعد بس اسٹیشن کے دفتر میں آیا۔ دفتر میں دو ڈالر اور ایک خط چھوڑ کر چلا گیا۔

خط میں لکھا ہے کہ میں ۱۹۲۵ء میں پیلی زاری کی بس میں سوار ہوا تھا۔ یہ دو ڈالر کرایہ میرے ذمہ باقی تھا۔ خدا کا شکر ہے آج میں نے وہ کرایہ ادا کر دیا۔

☆☆☆

پپّو نے کہانی سنائی

''آج کس کی باری ہے؟'' آپا جان نے پوچھا۔

''پپّو بی کی۔'' ہم سب نے جواب دیا۔

''اچھا تو کہو پپّو بی کہانی۔'' آپا جان نے کہا

''میں تو نہیں کہتی۔'' اُس نے ٹھنک کر کہا۔

''کیوں؟'' آپا جان نے وجہ پوچھی۔

''میں کہتی ہوں تو سب ٹوکنے لگتے ہیں۔'' پپّو نے وجہ بتائی۔

آپا جان نے ہم سب کو منع کیا کہ کوئی نہیں ٹوکے اور ہم سب نے وعدہ کیا کہ کچھ نہ بولیں گے۔ تو پپّو بی نے کہانی شروع کی۔

''ایک تھا بادشاہ۔ ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔ آنکھوں دیکھی کہتے نہیں کانوں کی سنی کہتے ہیں۔ کہنے والے کو ثواب نہیں۔ سننے والے کو عذاب نہیں۔ ایک تھا بادشاہ۔ وہ بہت غریب تھا۔ اس کا خزانہ ہر وقت مال سے بھرا رہتا تھا۔ اللہ کا دیا ہوا اس کے یہاں سب کچھ تھا۔ اچھا اچھا کھانا کھاتا۔ اچھے اچھے کپڑے پہنتا۔ محلوں میں رہتا۔ اس کے نوکر چاکر بہت تھے۔ اس کے پاس

بہت بڑی سلطنت تھی۔ وہ اپنی سلطنت کسی کو نہ دیتا۔ اپنی سلطنت ہر وقت اپنے پاس رکھتا۔ وہ کسی کو دکھاتا بھی نہ تھا۔ اُسے ڈر تھا کہ کوئی اس کی سلطنت چھین نہ لے۔

ایک دن ایسا ہوا کہ وہ بادشاہ سو کر اُٹھا تو اس نے منہ نہیں دھویا۔ اُسے بھوک بہت زیادہ لگی تھی۔ منہ دھوئے بغیر اپنی امّی جان سے کھانا مانگا۔ اس کی ماں بے چاری بیوہ تھی۔ اس کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اس دن کھانے کو کچھ نہ تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کہاں سے کیا لائے جو پکائے اور بیٹے کا پیٹ بھرائے۔ اس نے اس سے کہا۔ اچھا ہاتھ منہ دھو ڈالو تو کھانا دوں۔" کھانے کے لالچ میں بادشاہ نے ہاتھ منہ دھو ڈالا۔ تو بھی اسے کھانا نہ ملا۔ تو بادشاہ روتے ہوئے باپ کے پاس گیا۔ باپ نے پوچھا: کیوں روتے ہو؟" بتایا کہ امّی جان نے کھانے کو نہیں دیا۔ باپ کو بڑا قلق ہوا۔ باپ نے اللہ میاں سے دعا کی تو اللہ میاں نے کھانا بھیجا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ سچ مچ اللہ ہی سب کا رازق ہے۔"

پپّو بی کہانی کہہ چکیں تو میں نے آپا جان سے کہا: اب تو

ہنسیں۔ ہنسی روکے ہم سب کا پیٹ پھولا جا رہا تھا۔ اصل میں آپا جان بھی ہونٹوں سے ہونٹ دبائے تھیں۔ کہانی ختم ہونے پر ہنسی کا گول گپّا جو پھوٹا ہے تو بس کچھ نہ پوچھئے، لوٹ لوٹ گئے سب اور پپّو بی یہی کہتی رہیں: کیوں سب ہنستے ہیں؟'' اب کوئی کیا بتائے کہ ہم کیوں ہنستے ہیں۔

☆☆☆

مہمان نوازی

مہمان نوازی کا مطلب ہے ''مہمان کو عزّت اور آرام کے ساتھ اپنے گھر میں ٹھہرانا اور اس کی خدمت کرنا۔ مہمان نوازی کا ایک قصہ ہم نے عربی زبان کی ایک کہانی میں پڑھا۔ اب وہ کہانی آسان کر کے ہم لکھ رہے ہیں۔ امید ہے کہ بچّے بڑے شوق سے پڑھیں گے اور اس سے نصیحت حاصل کریں گے۔ لکھنے والے نے یہ کہانی اس طرح لکھی ہے:

''مجھے ایک اچھے اونٹ کی ضرورت تھی۔ میں اونٹ خریدنے بازار گیا۔ اونٹوں کے بازار میں بہت سے اونٹ تھے۔

میں نے ایک اونٹ پسند کیا۔ یہ اونٹ ایک بدّو کا تھا۔ میں نے اونٹ کی قیمت پوچھی۔ اس نے اونٹ کی قیمت سات سو ریال (عربی روپئے) بتائی۔ اس اونٹ کی قیمت سات سو ریال بہت زیادہ معلوم ہوئی۔ میں نے پانچ سو ریال لگائے۔ بدّو راضی نہ ہوا۔ میں دام لگا کر دوسرے اونٹ دیکھنے لگا۔ مگر اب کوئی دوسرا اونٹ مجھے جچ نہیں رہا تھا۔ میں پھر اسی بدّو کے پاس پہنچا اور ۵۰ ریال قیمت اور بڑھائی۔ بدّو اب بھی راضی نہ ہوا۔

وہ بدّو شام تک اپنا اونٹ لئے کھڑا رہا، لیکن اس کا اونٹ بک نہ سکا۔ اور بھائی بکتا کیسے؟ وہ قیمت بھی تو بہت مانگ رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بازار کا وقت ختم ہوگیا اور بدّو اونٹ لے کر چلا گیا۔

یہ اونٹ مجھے اتنا زیادہ پسند تھا کہ جب بدّو چلا گیا تو مجھے افسوس ہونے لگا۔ دل میں کہا کہ سات سو ریال کا خرید لینا چاہئے تھا۔ اب کیا ہو، اس بدّو کا پتہ بھی نہیں معلوم۔ میں نے بازار والوں سے اس کا پتہ پوچھا۔ ایک دکاندار سے اس کا پتہ معلوم ہوا۔ میں دوسرے دن صبح ہی صبح اس پتہ پر چل دیا۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر گیا۔ راستے میں مجھ کو تین گھنٹے لگے۔ میں

اس بدّو کے گاؤں (قریہ) میں پہنچا۔ دوسرے بدّوؤں سے اس کا گھر معلوم کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ کنارے والا گھر اسی کا ہے۔ میں نے اس کے دروازے پر جا کر آواز دی۔ وہ نکلا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ ''آپ کا آنا مبارک، آپ کا آنا مبارک'' کہتا ہوا میری طرف لپکا۔ گلے ملا، پھر میرے گھوڑے کو ایک طرف باندھا۔ اس کے لئے چارہ پانی رکھ دیا۔ مجھے اپنے گھر میں ٹھہرایا۔ ایک کونے میں نمدہ بچھا دیا۔ کچھ کھجوریں اور پانی لا کر رکھا۔ میں نے کھایا پیا اور سو رہا۔ میں ظہر کے وقت تک سوتا رہا۔ ظہر کے وقت اٹھا ہاتھ منہ دھویا۔ بدّو نے نہایت عمدہ بھنا ہوا اونٹ کا گوشت لا کر رکھا اور بڑی خوشی کے ساتھ بیٹھ کر کھانے اور کھلانے لگا، کھانا کھاتے وقت وہ بار بار الحمد اللہ، الحمد للہ کہتا جاتا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد ہم بیٹھے۔ باتیں کرنے لگے۔ باتوں میں، میں نے کہا کہ میں سات سو ریال لایا ہوں آپ اپنے اونٹ کی قیمت لے لیجئے اور اونٹ مجھے دے دیجئے۔ یہ سن کر وہ مسکرایا اور بولا۔ ''بھائی! اب وہ اونٹ کسی قیمت پر نہیں مل

سکتا۔‘‘میں نے پوچھا’’کیوں؟‘‘بولا’’میں نے اسے آپ کے آنے کی خوشی میں ذبح کر دیا۔‘‘

میں یہ سن کر حیران رہ گیا۔ میں نے اس سے پوچھا’’کیا کوئی دوسرا جانور آپ نہیں ذبح کر سکتے تھے؟‘‘ جواب دیا ’’میرے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا جانور ہی نہیں تھا اور نہ پیسے ہی تھے کہ خرید سکتا۔‘‘

یہ سن کر میں دنگ رہ گیا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں مجھے آپ معلوم ہو گیا کہ وہ بدّو بہت غریب آدمی ہے۔ یہ اونٹ اسے باپ کے ترکے میں ملا تھا۔ اسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا۔ کئی بار اس اونٹ کے اچھے دام لگے۔ لیکن باپ کی اس نشانی کو اس نے نہیں بیچا۔ اب اس کی شادی ہونے والی ہے۔ خرچ نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو کر کل بیچنے گیا تھا۔

یہ سن کر مجھے بڑا افسوس ہوا۔ میں نے اس سے کہا کہ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب آپ یہ سات سو ریال رکھ لیجئے اور میں جاتا ہوں۔ بدّو روپیہ لینے پر کسی طرح راضی نہ ہوا تو میں نے یہ کیا کہ نمدے کے نیچے روپیوں کی تھیلی رکھ دی۔ اسے نہیں بتایا اور اس

سے رخصت ہو کر گھر چلا آیا۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بدّو میرے گھر آ گیا۔ وہ مجھ پر بہت خفا ہوا۔ تھیلی میری طرف بڑھا کر کہنے لگا۔ ''واللہ یا شیخ! اگر تم روپئے نہ لوگے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔''

میں نے روپئے لے لئے۔ پھر اسے بہت روکا مگر وہ نہ رکا اور اسی وقت اپنے گھر واپس چلا گیا۔

☆☆☆

میری شرارت

بہت دنوں سے کچھ ایسا ہو رہا تھا کہ آدھی چھٹی کے وقت دو تین لڑکوں کی کوئی نہ کوئی چیز ضرور چوری جاتی۔ کسی کی حساب کی کتاب کھو گئی۔ کسی کے ڈیسک میں سے کاپی غائب تو کسی کا قلم نہ جانے کون چور تھا۔

دو تین دن تو کسی نے اس طرف خاص توجہ نہ دی۔ لیکن روز روز کی چوری سے تو سب کو فکر ہوئی۔ تو لڑکوں نے بھی اپنے بستوں کی احتیاط شروع کر دی۔ اس طرح یہ ہوا کہ چوری کی

رفتار کچھ مدھم پڑ گئی۔ پھر بھی دوسرے تیسرے روز کسی نہ کسی کی کچھ نہ کچھ چیز ضرور چوری ہو جایا کرتی۔

آج تو غضب ہو گیا۔ میرا نیا پین جو آج ہی ماموں جان نے مجھے لا کر دیا تھا۔ کسی نے میرے ڈیسک سے نکال لیا۔ میں نے ماسٹر صاحب سے شکایت کی۔ لڑکوں سے پوچھا۔ لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک طالب علم کے لئے پین کی بہت قیمت ہوتی ہے۔ میری نظروں میں بھی پین قیمتی تھا۔ اس کا اتنا اثر ہوا کہ ماسٹر صاحب نے اس معاملے پر غور کرنا شروع کیا۔ مجھے اور چند لڑکوں کو جن پر ماسٹر جی کو اعتبار تھا۔ ماسٹر صاحب نے ایک مشورہ دیا اور پھر ہر ایک کے ذمے کچھ نہ کچھ کام سپرد کیا۔

ماسٹر صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم میرا ڈنڈا الماری کے پیچھے چھپا دینا۔ جب میں جاؤں گا تو الماری کے پیچھے سے نکال لوں گا۔ اور پھر تمام لڑکوں کو غور سے دیکھ کر پکڑ لوں گا۔ پھر اسلم سے کہا کہ تم میز پر سے دوات اٹھا کر توڑ دینا۔ میں تمہیں پکڑ لوں گا۔ اور پھر نصیر سے کہا کہ تم چاک کو اپنے ڈیسک میں چھپا لینا میں ؛ہاں سے نکال لوں گا۔ مُنیر سے کہا تم کرسی کو میز پر رکھ دینا۔ میں

تمہیں پکڑ لوں گا۔ پھر لڑکوں سے کہوں گا کہ میں نے چور کو بھی پہچان لیا ہے۔ پھر دیکھنا چوری کا راز کس طرح کھلتا ہے۔

صبح ماسٹر صاحب ڈنڈے اور چاک کو میز پر رکھ کر باہر چلے گئے۔ بہت سے لڑکے ڈر رہے تھے کہ آج خدا خیر کرے۔ میں نے اٹھ کر کہا کہ بھائیو! آج ماسٹر صاحب کہیں چلے گئے ہیں۔ آؤ شرارتیں کریں۔ سب لڑکوں نے اتفاق کیا۔ میں نے میز پر سے ڈنڈا اٹھا کر الماری کے پیچھے چھپا دیا اور خود اپنے ڈیسک پر بیٹھ گیا۔ میرے بیٹھنے کے بعد اسلم اٹھا اور اس نے ماسٹر صاحب کی دوات کو اچھالنا شروع کر دیا۔ دوات اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر فرش پر گر پڑی اور فرش پر گر کر چور چور ہو گئی۔ اسلم نے سب لڑکوں سے کہا۔ بھائیو! ماسٹر صاحب کو نہیں بتانا ورنہ میری شامت آ جائے گی۔ اسلم چپکے سے آ کر اپنے ڈیسک پر بیٹھ گیا۔ نصیر نے میز پر سے چاک اٹھا کر اپنے ڈیسک میں رکھ لیا۔ اس کے بعد مُنیر اٹھا اور اس نے کرسی کو اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد ماسٹر صاحب آئے اور میز پر کرسی دیکھ کر بہت خفا ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ سچ سچ بتاؤ اس کرسی کو کس نے

میز پر رکھا ہے؟ جب کوئی کھڑا نہ ہوا تو ماسٹر صاحب کا درجہ حرارت ایک دم سو ڈگری تک پہنچ گیا۔ غصّے کی حالت میں آپ نے سب لڑکوں کی طرف دیکھ کر گھورنا شروع کیا۔ سب لڑکے حیران ہوکر ماسٹر صاحب کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''کھڑے ہو جاؤ مُنیر۔'' ماسٹر صاحب چلائے اور مُنیر کھڑا ہو گیا۔ ''بتاؤ تم نے کرسی کو میز پر کیوں رکھا ہے۔'' سب لڑکے حیران ہو گئے کہ ماسٹر صاحب کو کیسے پتہ چل گیا۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب نے فرش کی طرف دیکھا تو اور بگڑے۔ اور اسلم کی طرف گھور کر کہا ''کیوں اے تو نے میری دوات کیوں توڑی ہے؟'' اسلم کیا جواب دیتا۔ اچھا یوں نہیں بتاتے۔ ڈنڈے سے تمہاری مرمّت کرتا ہوں۔ ارے یہاں میز پر ڈنڈا اور چاک کون اٹھا کر لے گیا ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ چاک اس وقت نصیر کے ڈیسک میں ہے۔ پھر انھوں نے نصیر کے ڈیسک سے نکال کر سب لڑکوں کو دکھایا۔ لڑکے اور زیادہ حیران ہوئے کہ کہیں ماسٹر صاحب جادوگر تو نہیں ہو گئے۔

ماسٹر صاحب نے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا۔ ''لڑکو! تمہیں

پتہ نہیں کہ میں جادوگر ہوں۔تم جو کچھ کرتے ہو۔ مجھے اس کا علم ہے۔تم سب بتاؤ کہ واقعی انھوں نے شرارت کی تھی۔

''جی ہاں!'' سب لڑکوں نے ایک ساتھ کہا۔ تو پھر ان تینوں کو سزا ملنی چاہیے۔لیکن ڈنڈا۔ ٹھہرو وہ بھی معلوم ہو گیا ہے۔'' ماسٹر صاحب نے لپک کر الماری کے پیچھے سے ڈنڈا نکال لیا۔ اور پھر مجھ سے کہا'' کیوں غلام حسین! تم نے الماری کے پیچھے ڈنڈا کیوں چھپایا؟ خیر چھوڑو اس بات کو! آج میرا تجربہ ٹھیک رہا ہے۔تم چاروں کو معافی۔اب میں اس چور کو پکڑوں گا جو لڑکوں کی چیزیں چراتا ہے۔اتنا کہہ کر ماسٹر صاحب نے سب لڑکوں کو غور سے دیکھنا شروع کیا'' مارلیا'' کہہ کر ماسٹر صاحب اچھل پڑے۔''چور پکڑ لیا'' ماسٹر صاحب خوش ہو کر چلائے۔ سب لڑکوں نے اشتیاق سے پوچھا کہ چور کون ہے۔ ماسٹر صاحب نے کہا'' مجھے چور پر رحم آتا ہے۔اس لئے اس کی بہتری اسی میں ہے کہ آج میرے گھر میں آکر سب لڑکوں کی کتابیں اور فاؤنٹن پین لے آئے۔تو میں اسے معاف کر دوں گا اور اس کا

نام بھی کسی کو نہ بتاؤں گا۔ اگر اس نے ایسا نہ کیا تو نہ صرف اسے سزا دوں گا بلکہ اس کا منھ کالا کر کے اسکول سے نکال دوں گا۔“

صبح کو جب ہم اسکول گئے تو ماسٹر صاحب نے بتایا کہ میری چال کامیاب رہی۔ کل شام کو وہ لڑکا سب سامان میرے پاس لے آیا تھا اور اس نے مجھ سے معافی مانگی تھی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ چنانچہ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔ اور اس کا نام نہیں بتاؤں گا۔ سب لڑکوں نے تالیاں بجائیں اور اپنی اپنی چیزیں لے لیں۔ مجھے بھی میرا فاؤنٹن پین مل گیا۔ جو خوشی اس وقت ہوئی میں بیان نہیں کر سکتا۔ آج اس واقعے کو کئی سال گذر چکے ہیں اور ہماری جماعت میں کبھی چوری نہیں ہوئی۔ جب بھی یہ واقعہ پیش آتا ہے تو ماسٹر صاحب کی عقل مندی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

غلام حسین

☆☆☆